اسکول کی ان کہی کہانیاں

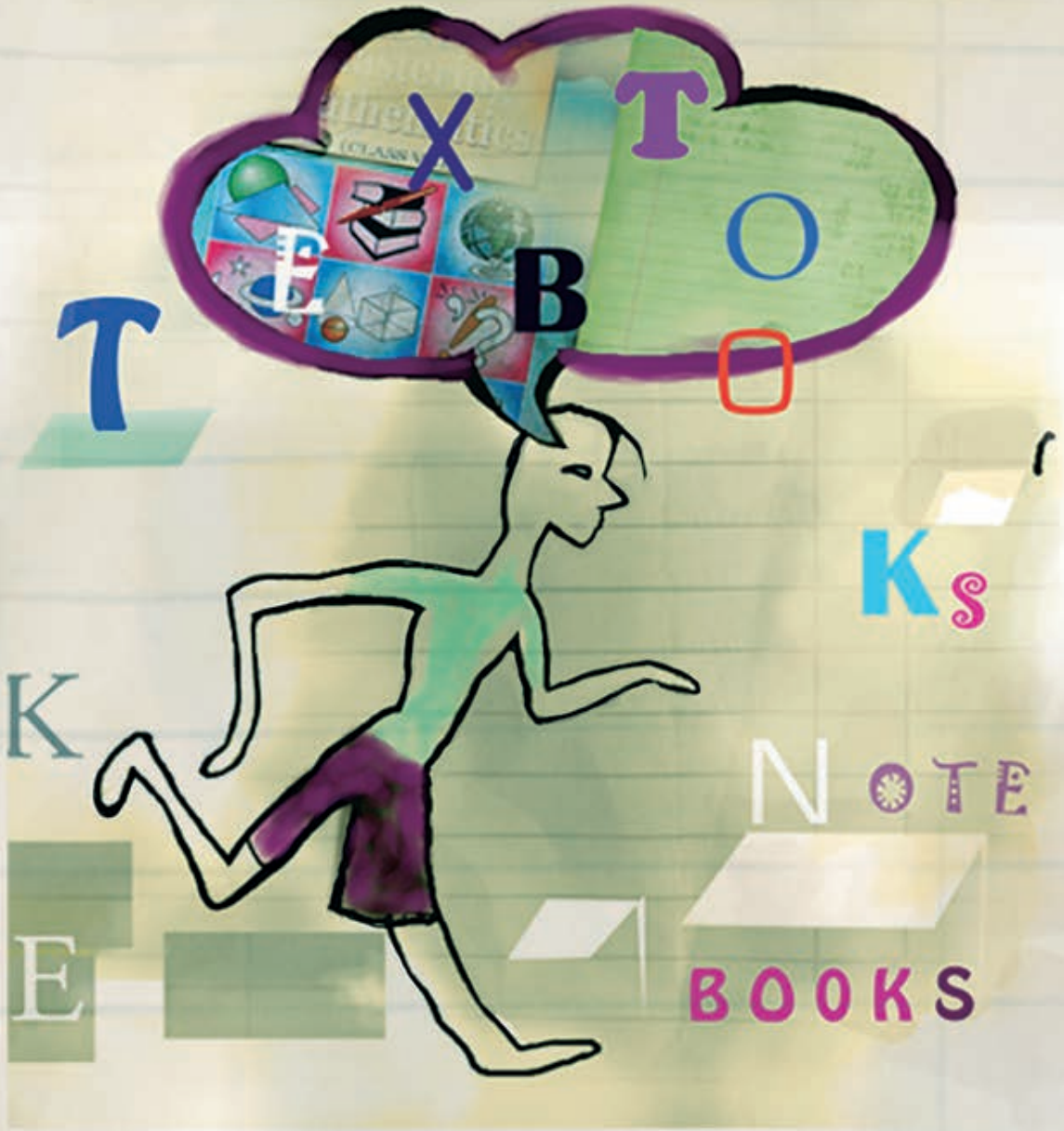

تین چوتھائی، آدھی قیمت، ردّی

محمد قدیر بابو

آرٹ بی. وی. سُریش

نصابی کتاب

نوئمن

آرٹ چتھرا کے. ایس.

اسکول کی دوستی

جوپکا سُبھدرا

آرٹ سومیا انتکرشنا

eklavya
Anveshi

تین چوتھائی، آدھی قیمت، ردّی

محمد قدیر بابو

آرٹ
بی. وی. سُریش

ترجمہ
محمد مجیب الدین

سیریز ایڈیٹر
دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز
اسماء رشید اور ایم. اے. معید

eklavya
Anveshi

INDEX

Sr. No.	Title	Page. No.	Teacher's Sign./Remark

طلباء کیلئے اطلاع

تما م جماعتوں کیلئے مطلوبہ نصابی کتابیں ہمارے ہائی اسکول پر پہنچ چکی ہیں۔ جو بھی انھیں خریدنا چاہتے ہیں قیمت ادا کرکے دفتر سے دوپہر میں تیسری گھنٹی کے بعد حاصل کر سکتے ہیں۔ لِپاکشی کی کاپیوں کی آمد میں ابھی وقت ہے۔ جو کاپیوں کا مجموعہ چاہتے ہیں، وہ اڑتالیس روپیے بطور پیشگی جمع کروادیں۔اگر کوئی بعدمیں کاپیاں چاہتے ہیں تو انھیں فراہم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

دستخط/XXXX

صدر مدرس، ویشودیا

ہمارے اسکول کے دفتر کے کمرہ سے متصل پیلی دیوار پر لگے بلیک بورڈ پر یہ دو اہم باتوں کی اطلاع لکھی ہوئی تھی۔

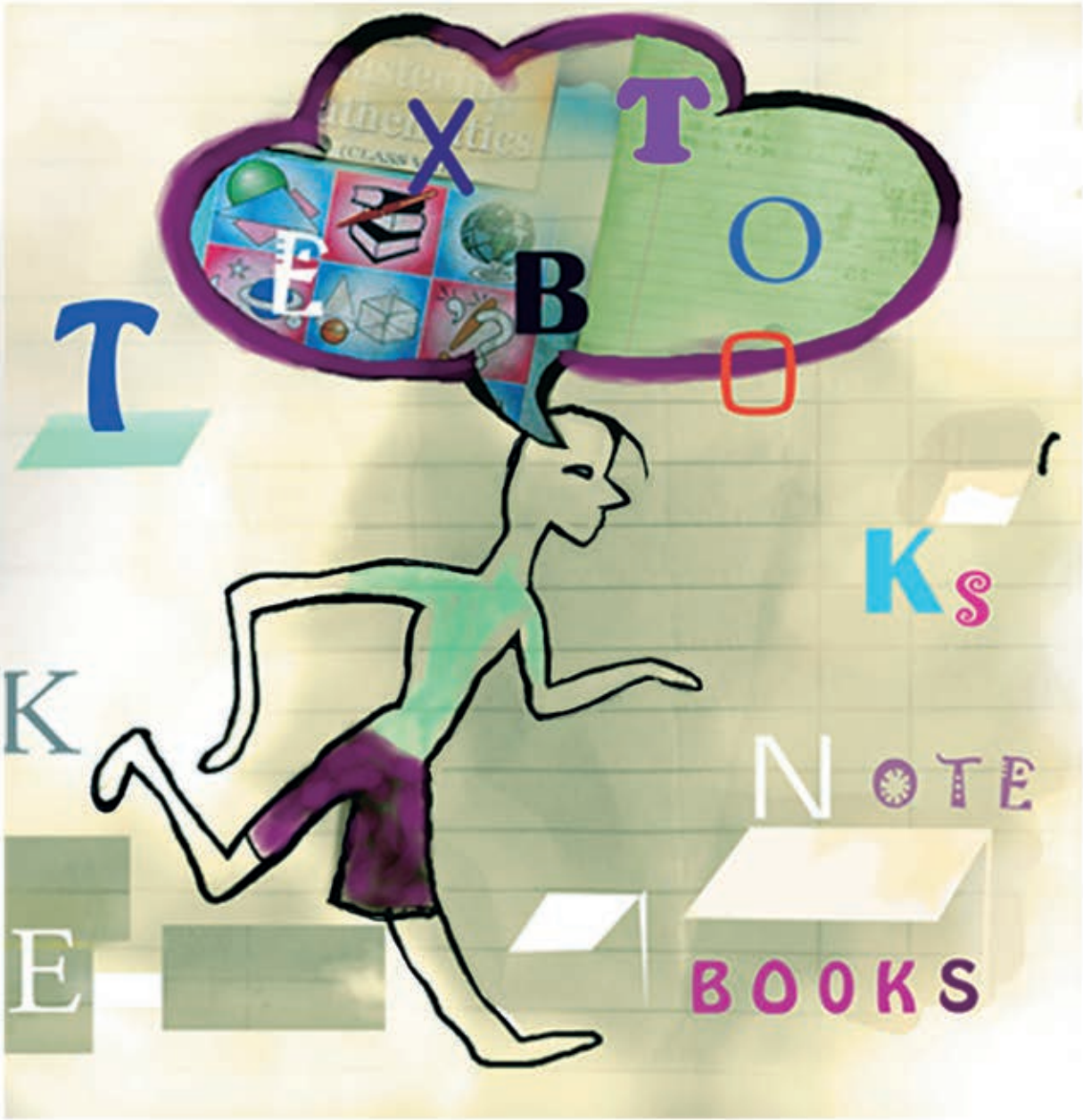

T
X
T
E
B
O
O
Ks
K
NOTE
E
BOOKS

پہلی بات کا تعلق کتابوں سے تھا: اِس کا ہم سے تعلق نہیں ہے۔

دوسری بات کا تعلق کاپیوں سے تھا: اس کا ہم سے تعلق ہے۔

میں نے اس لیے کہا کہ نصابی کتابوں کا تعلق ہم سے نہیں کیوں کہ میرے والدہ اور والد جنھوں نے مجھے پیدا کیا، انھوں نے کبھی میرے لیے نئی نصابی کتابوں کا مجموعہ خریدنے کیلئے فکر نہیں کی، چاہے وہ چھٹویں جماعت میں ہو یاساتویں۔ مجھے ہمیشہ پُرانی نصابی کتابوں سے کام چلانا پڑتاتھا۔ آج بھی اِس بات کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ نئی نصابی کتابوں کا مجموعہ خریدیں گے۔ میں سوچنے لگاکیوں نہ میں کسی اگلی جماعت والے کو تلاش کروں جس کے پاس نصابی کتابیں ہوں گی جو میرے کام آسکیں۔

اِس تلاش کے دوران میری ملاقات اک بنئے لڑکے گاڈم شٹی رمیش سے ہوئی، جو میرے گھر کے قریب رہتا ہے۔ وہ اب نویں جماعت میں ہے۔اُس نے ابھی ابھی آٹھویں میں کا میابی حاصل کی تھی۔اُس کے پاس آٹھویں کی نصابی کتابیں ہوں گی جس کی مجھے ضرورت ہے۔میں نے طے کیا کہ اگر مجھے کتابیں خریدنی ہوگی، میں اُسی کی خریدوں گا۔

کیوں؟ اِس لیے کہ پرانی کتابوں کی اپنی کہانی ہوتی ہے۔

یہ تین قسم کی ہوتی ہیں۔

پہلی قسم: اگر کوئی اُس سال نئی نصابی کتابیں خرید کر ان پر بھورا کاغذ چڑھائے، پھر کپڑے کی دکان سے ساڑیوں کے پلاسٹک کوَر کو لا کر اُن پر چڑھاکر، پِن مارکر، محفوظ کر دے اور سال بھر پین یا پنسل کا ایک بھی نشان نہ لگنے دے—اگلے سال ایسی کتابیں تین چوتھائی قیمت میں آسانی سے بیچی جاسکتی ہیں۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ اٹھ روپیے کی نصابی کتاب کے چھ روپیے ملیں گے۔

مگر جب کوئی نئی کتابوں کا خیال نہ رکھے، اُنھیں کاغذی جلد نہیں چڑھائے، کسی کو بھی پڑھنے دیدے، اور اندر کے اوراق میلے ہوجائیں...تو وہ آدھی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ آٹھ روپیے کی نصابی کتاب کے چار روپیے ملیں گے۔

اب تیسری قسم: جب کوئی پرانی کتاب خریدتاہے، اُس کومزید خراب کرتا ہے اور اُس کے اوراق ہاتھ لگاتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تووہ ردّی کے برابر ہوجاتے ہیں۔

اِس طرح کی کتاب ایک چوتھائی قیمت پر فروخت ہوتی ہے۔

آٹھ روپیے کی نصابی کتاب کے دو روپیے ہی ملیں گے۔

لیکن ہمیں کیوں ردّی نصابی کتاب لینا چاہئے؟ یا پھٹے ہوئے آدھی قیمت والی؟ ہمیں تین چوتھائی قیمت والی نصابی کتابیں حاصل کر نا چاہئے۔وہ بھی آدھی قیمت پر۔

چونکہ پہلی قسم کی کتابیں گاڈم شٹی رمیش کے پاس ہوتی ہیں، میں اُس سے کتابوں کے بارے میں پوچھنے چلا گیا۔

میرے چہرے پر نظر ڈالے بغیروہ بولا ”با لکل نہیں! کس طرح صفائی سے ہم نے کتابوں کو رکھاہے! تم اُنھیں تین- چوتھائی قیمت پر خرید سکتے ہو، لیکن آدھی قیمت پر نہیں۔ کیا مجھے پیسے ڈال کر نویں جماعت کی کتابیں نہیں خریدنا ہے؟“

میں نہیں جانتا تھا کہ اُس کا جواب کیسے دیا جائے، تو میں اپنا سر کُھجاتے ہوئے اُسے دیکھتا رہا۔

گو کہ گاڈم شٹی رمیش دبلا اور لاغر نظر آتاتھا، مانوتھوڑی سی ہوا سے اڑ جائے، مگر وہ ایک کلو چنا ختم کر سکتا تھا۔ وہ اپنے جیبوں کو چنے سے بھرا ہوا رکھتا اور سارا دن چباتا رہتا۔جب وہ ہنستا، چنے کے سفید چھوٹے ٹکڑے اُس کے کالے مسوڑھوں پر نظر آتے۔

اُن ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے، مجھے ایک خیال آیا۔ ''ارے رمیشا! میرے ابّا دال مل کی موٹر درست کر نے کیلئے نیلور گئے ہیں۔ وہ بول رہے تھے کہ آتے ہوئے آدھا تھیلا چنا ضرور لائیں گے۔میں اس میں سے تھوڑا تمہیں دوں گا۔ پھر تم مجھے کتابیں آدھی قیمت پر دیدو گے نا؟'' میں نے جھٹ سے ایک سفید جھوٹ گھڑلیا۔ میری پیشکش کو نظرانداز کر تے ہوئے، وہ بولا، ''ہوں! ہمارے گھر میں بھی گڑ کے ساتھ کھا نے کیلئے چنے ہیں۔ ہم کو تمہارے چنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں کوئی اور منصوبے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھاجب رمیش کی ماں آئی اور اُس سے بولی، ''ٹھیک ہے! اُس کو کتابیں آدھی قیمت پر کیوں نہیں دے دیتے؟'' رمیش کی ماں نرم مزاج کی ایک بہت اچھی خاتون ہے۔

اِس کے علاوہ،انھیں کہانیاں بہت پسند ہیں۔ہر ماہ وہ 'چنداماما' اور'بالامِترا' لیتی ہیں۔ وہ مجھے اِس لیے پسند کرتی ہیں کیوں کہ جب کبھی میں ان کے گھر جاتا، میں ان رسالوں کوشوق سے پڑھ ڈالتا۔ ''دیکھو رمیشا، وہ کچھ پوچھ رہا ہے،تم دے کیوں نہیں دیتے؟ ہر چیز کو پیسے سے نہیں جوڑ نا چاہیے، بیٹے!'' یہ کہہ کررمیش کی ماں اندر چلی گئی۔

میں نے وہاں سے شروع کیا جہاں انھوں نے ختم کیا تھا ۔ ''اُ ف! تمہاری اپنی ماں بھی تم سے کہہ رہی ہے کتابیں مجھے دے دو۔ کسی کو اپنی ماں کے الفاظ کے خلاف نہیں جانا چاہیے۔ اگر تم اپنی ماں کے کہنے پر عمل کروگے تو تمہیں اُس کا ثواب ملے گا۔ اگر میری ماں مجھ سے کہتی کہ آدھی قیمت کی بجائے مفت میں کتابیں دے دو تو میں فوراً دے دیتا۔'' میں اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر بولا۔

(میری امّی ایسا کبھی نہیں کہے گی چاہے اِن کی جان نکل جائے۔ اگر وہ ایسا کہتی بھی تو میں ویسا کبھی نہیں کرتا۔ میں نے ساتویں جماعت کے ردی کتابوں کو مفت میں کسی کو دے دینے کے بجائے، تول میں بوڑھے بنیے کو بیچا تھا۔)

وہ منھ بنا کر بولا، ''ٹھیک ہے!اِس سال میں تمہیں دے دیتاہوں۔ اگلے سال،میں جانتا ہوں نویں جماعت کی کتابوں کیلئے تم پھرواپس آ ؤ گے۔ تب، میں آدھی قیمت پر فروخت نہیں کروں گا۔''

میں تین چوتھائی قیمت کی کتابیں آدھی قیمت میں لیتے ہوئے بولا،''ٹھیک ہے رے! میں تجھے مان گیا! اُس وقت اگر خدا چاہے تومیں انھیں پوری قیمت پر خریدوں گا۔''

اب میری پریشانی آٹھویں جماعت کی نصابی کتابوں کے لیے ختم ہوگئی، مگر کاپیوں کی فکر باقی تھی۔ لِپاکشی کی کاپیاں جس کا ذکر نوٹس بورڈ پر تھا میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں۔

مگر کیا وہ میری قسمت میں تھیں؟ کیا میرے ابّا میں اتنی استطاعت تھی؟

جب میں اِس مسئلہ کے حل کے بارے میں سوچ رہا تھا تب میں نے کندولا مالاکونڈاراؤ کو گل مہر کے درخت کے نیچے کھڑا ہوا دیکھا، جو اپنی اُنگلیوں پر کچھ گن رہا تھا۔

میں فوراً گیااور اُس سے پوچھا، ’’کیا مالا کونڈاایا؟ کیاگن رہے ہو؟‘‘

اُس نے کہا، ’’کچھ نہیں۔ میرے پاس پیسے ہیں کتابیں خریدنے کے لیے۔ میرے پاس لپاکشی کی کاپیوں کے لیے بھی پیسے ہیں۔لیکن صدرمدرس کہتے ہیں کہ لپاکشی کی کاپیاں پہنچنے میں وقت ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ مشق کیلئے کیا مجھے کم از کم چھ کاپیاں خرید لیناچاہئے، ہر مضمون کے لیے ایک؟‘‘

یہ سُن کر میں حسد سے جل گیا۔

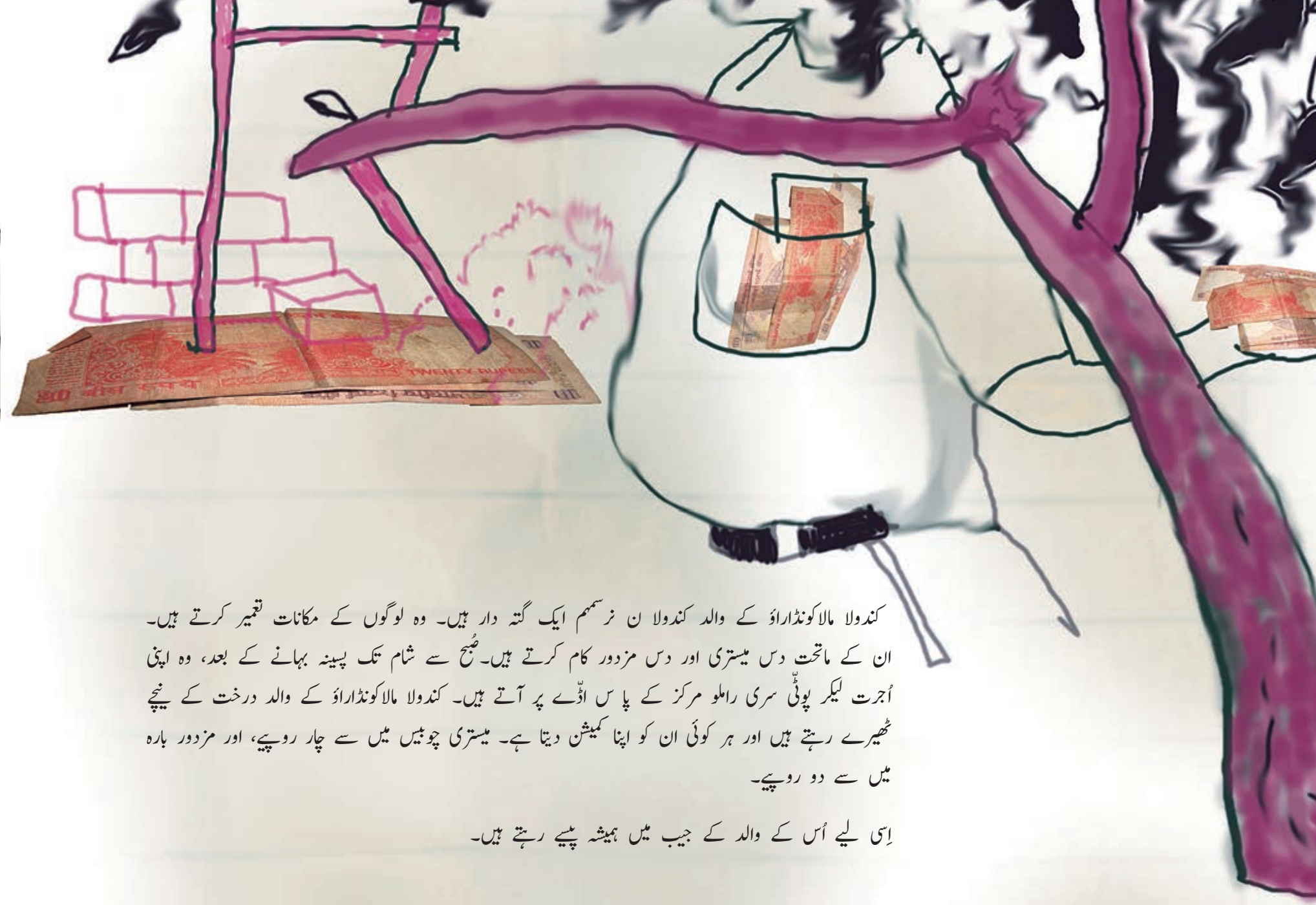

کندولا مالاکونڈاراؤ کے والد کندولا ن نرسمہم ایک گتہ دار ہیں۔ وہ لوگوں کے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ ان کے ماتحت دس میستری اور دس مزدور کام کرتے ہیں۔ صُبح سے شام تک پسینہ بہانے کے بعد، وہ اپنی اُجرت لیکر پوٹّی سری راملو مرکز کے پا س اڈّے پر آتے ہیں۔ کندولا مالاکونڈاراؤ کے والد درخت کے نیچے ٹھیرے رہتے ہیں اور ہر کوئی ان کو اپنا کمیشن دیتا ہے۔ میستری چوبیس میں سے چار روپیے، اور مزدور بارہ میں سے دو روپیے۔

اِسی لیے اُس کے والد کے جیب میں ہمیشہ پیسے رہتے ہیں۔

اور میرے ابّا کے پاس؟

ایک دن پیسے آتے ہیں تو دوسرے دن نہیں آتے۔ اس کے علاوہ، میرے ابّا کو اپنے ماتحت کام کرنے والوں کو پیسے ادا کرنا ہوتا، وہ ابّا کو کچھ بھی نہیں دیتے۔

اور اِسی لیے، جب ہم کاپیاں خریدنے کے لیے پیسے مانگتے تو میرے ابّا کہتے، ''دیکھیں گے،دیکھیں گے'' اور کندولا مالاکونڈاراو کے والد کہتے، ''لے لو،لے لو۔''

اب میں نے سوچا، مجھے خوش ہونا چاہیے کیوں کہ اگر مالاکونڈ اراؤ کو کچھ ملتا ہے تو مجھے بھی کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے میں نے ایک منصوبہ بنایا۔ ''مالاکنڈیا، تم کو کاپیوں کے مسائل نہیں معلوم'' میں کہنے لگا، ''سرینواسا میں ایک قسم کے ہیں اور چیلاپیلا میں دوسری۔ چند سیاہی جذب کرتے ہیں تو چند پر،اگر تم ایک جانب لکھو، تم اس کو دوسری جانب دیکھ سکتے ہو۔ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔میں تمہارے لیے عمدہ کاپیوں کا انتخاب کروں گا۔''

''ارے باپ رے، تم نے میری جان بچالی۔ ٹھیک ہے، چلو چلتے ہیں'' وہ بولا۔

اُس شام ہم دونوں پوٹّی سری راملو مرکزگئے،اُس کے والد سے پیسے لیے، چیلا پیلا کتابوں کی دکان جاکر چھ کاپیاں خرید لیں۔خوشنما کاپیوں کو دیکھ کر اور نئے کاغذ کی مہک سے ایک عجیب سی خوشی ہو رہی تھی۔

مگر افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ خوشی میری نہیں تھی۔

لوٹتے وقت، میں نے اس سے پوچھا، ''مالاکنڈیّا، کیاتم نے ساتویں جماعت میں بہت سے کاپیاں نہیں خریدی تھیں؟ تمہارے پاس اسکول کے لیے اور ٹیوشن کے لیے الگ الگ کاپیاں تھیں، ہے نا؟ اُس کے علاوہ مجھے یاد ہے، امتحانات کے اہم سوالات کے لیے تم نے علحدہ کاپیاں رکھی تھیں۔اُن سب کا کیا ہوا؟''

''وہ سب ہیں گھر پہ۔ میں اُنھیں تول کے بھاؤ بیچوں گا۔''

میں نے کہا، ''ایسا مت کرنا۔ وہ سب مجھ کو دیدو۔ تمہارا خط بہت اچھاہے۔ اگر ہم اُ ن کو ساتویں جماعت کے کسی نئے بچّے کو دے دیں گے، تو یہ اُس کے لیے نہایت ہی مفید ہوگا۔ تم کو ثواب بھی ملے گا۔''

''ٹھیک کہا تم نے!'' وہ مان گیا۔ پرانی کاپیاں اُسے گھر میں مل گئیں۔ ''یہ لو اور کسی کو دے دو۔'' میرے حوالے کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

کُل ملا کر وہ بارہ کاپیاں تھیں۔

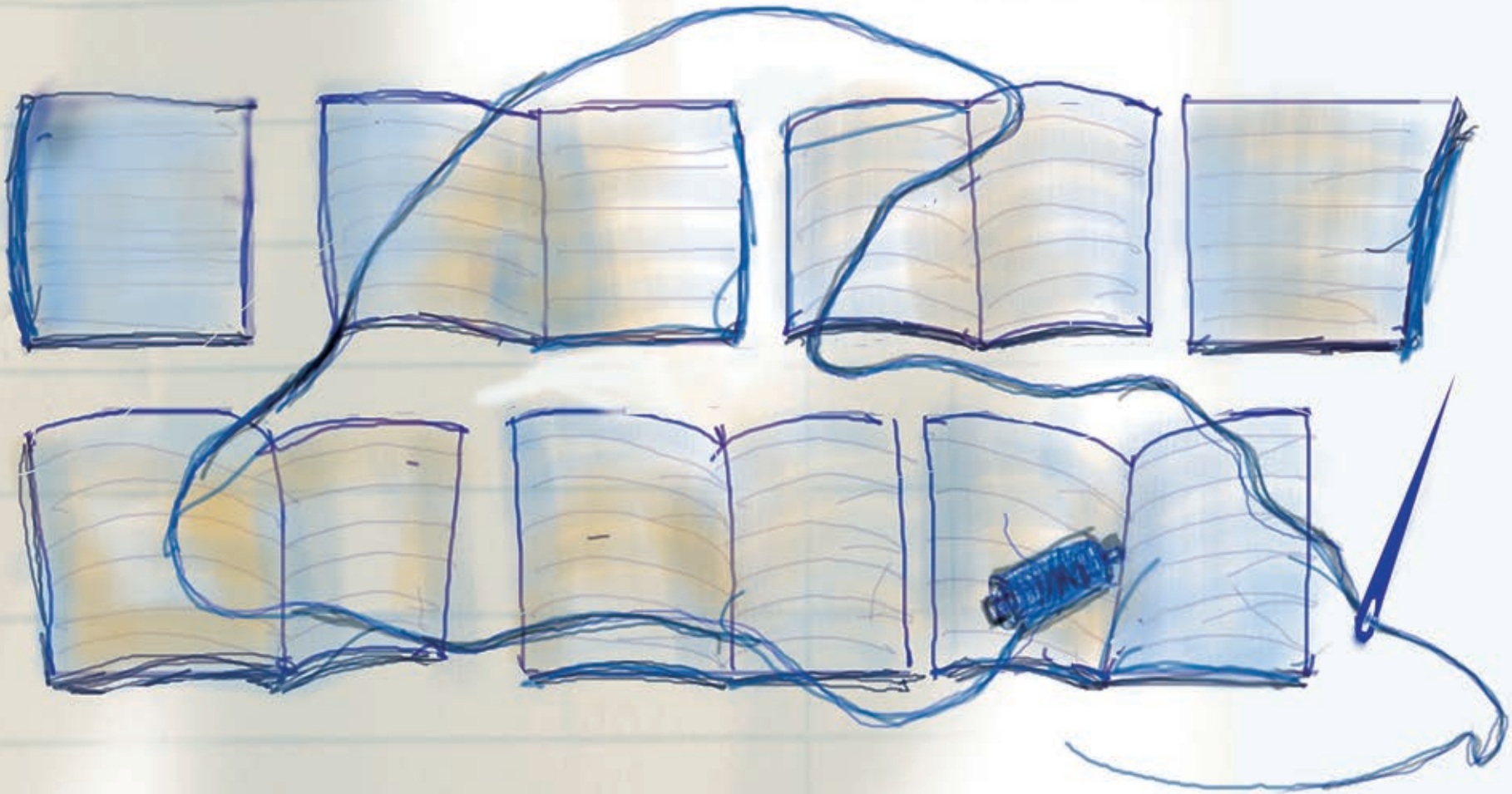

میں اُن سب کو گھر لے گیا، احتیاط سے اُنھیں فرش پر رکھا، اُن کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ صفائی سے ہر کاپی سے خالی اوراق پھاڑ لیا، دو حصوں میں تقسیم کیا اور پھر دونوں کے اوپر خوبصورت موٹا کاغذ رکھ کر، ان کو سی کر دو کاپیاں بنالیں۔

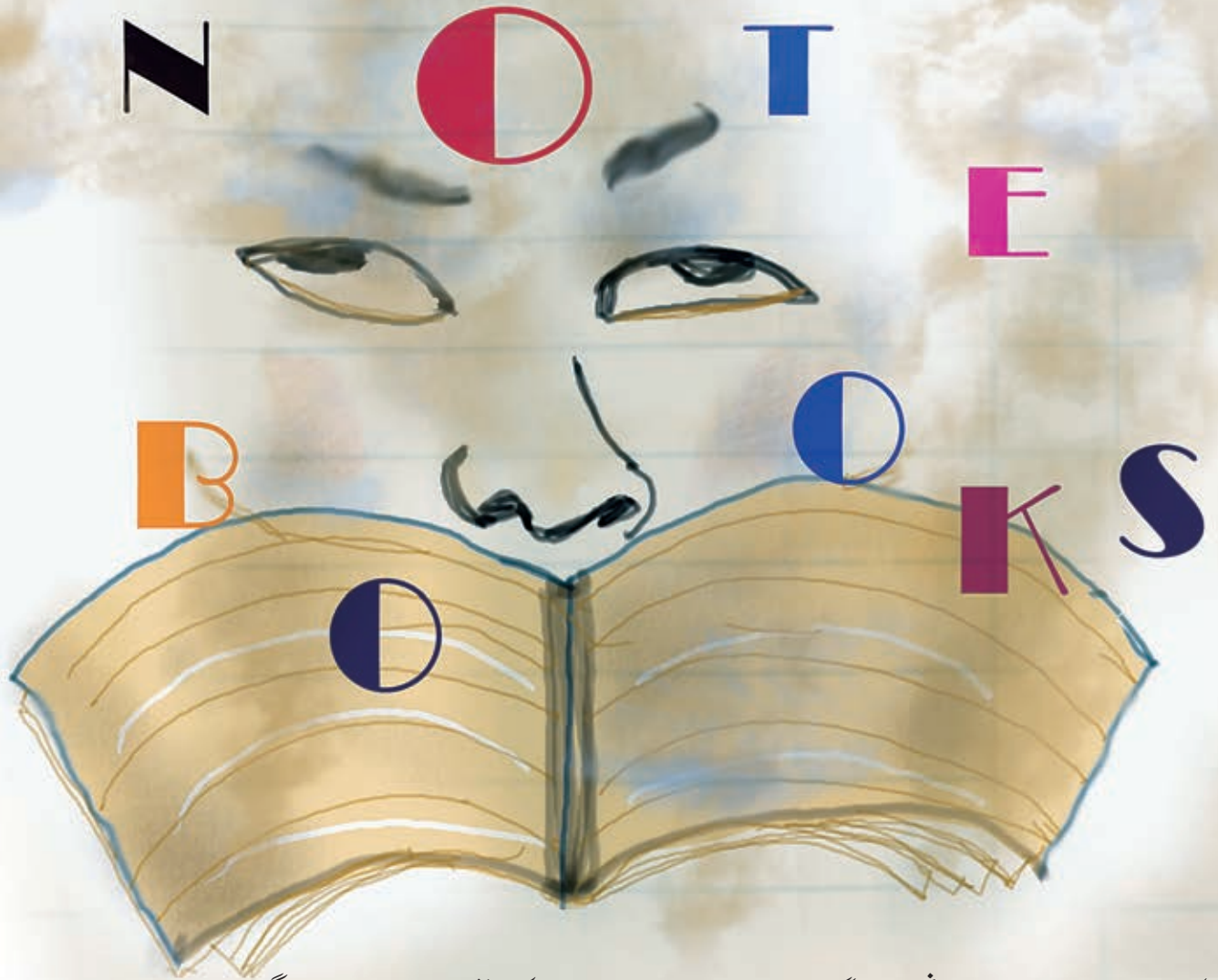

اُن کو سینے کے بعدمیں نے انھیں سونگھا۔ اُن میں سے پرانے کاغذ کی مخصوص خوشبو آنے لگی۔ میں نے سوچا،
''لِپاکشی کاپیاں جائیں اور گاؤں کے تالاب میں ڈوب مریں۔کیا یہ کاپیاں کچھ کم ہیں؟''

میں گھر سے باہر نکل کر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا گاڈم شٹی رمیش نویں جماعت کی نئی کتابیں لیے گھر جارہا تھا۔

میں اُس کے پاس گیا، اُس کے جیب میں موجود تھوڑے سے چنے مجھے دینے کے لیے منایا۔ نظر بھر کر نئی کتابوں کو دیکھا،یہ سوچتے ہوئے کہ یہ میرے اپنے بچّے ہیں اور میرے پاس لوٹنے سے پہلے ایک سال تک پرائے گھر میں رہیں گے۔ اس لیے میں گاڈم شٹی رمیش اور اُن کتابوں کے ساتھ اُس کے گھر تک ہو آیا۔

نصابی کتاب

نوئمن

آرٹ

چتھرا کے . ایس .

ترجمہ

اسماء رشید

سیریز ایڈیٹر

دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز

اسماء رشید اور ایم . اے . معید

آج سمیر کا اسکول میں پہلا دن تھا۔

وہ اپنے اُپّا کے ہاتھ پکڑے، اُنھیں لگ بھگ کھینچتے ہوئے اسکول جا رہا تھا۔ نئی شرٹ، پیٹھ پر نیا بستہ اور دوسرے ہاتھ میں نئی چھتری جو اب تک کھولی بھی نہیں گئی تھی۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ بس اسٹاپ سے ہی اچھلتا کودتا جا رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا، لیکن اس کو جلدی بھی تھی۔

اگر بارش ہونے لگی تو؟ اگر اُس کی نئی شرٹ میلی ہو گئی تو؟ اُپّا ضرور اُس کو ڈانٹیں گے۔ کیا اُپّا روز اُس کے ساتھ اسکول آئیں گے؟ امید ہے کہ نہیں آئیں گے! اپنے بڑے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے آنے جانے میں زیادہ مزہ آئے گا۔ لیکن ابھی وہ کچھ نہیں کہے گا۔ ورنہ اسے اسکول ہی نہیں جانے دیا جائے گا۔ ویسے بھی کافی رونے دھونے اور طویل انتظار کے بعد اُس کو اسکول جانا نصیب ہو رہا تھا۔

جب گھر اوراڑوس پڑوس کے سبھی بڑے بچّے اسکول جاتے، تو سہیر انھیں چھوڑ نے دھان کے کھیتوں تک جاتا تھا۔ سہیر کے دماغ میں اسکول کا مطلب تھا ٹِفن باکس، تصویروں سے بھری نصابی کتابیں ،'صحیح' کے نشان جو ٹیچر رنگین چاک سے سیاہ تختی پر بناتے۔ شام تک اُس کا بھائی اسکول سے آتا تو اُس کی شرٹ میلی کچیلی ہو جاتی۔ سہیر اپنے آپ کو اُس بڑے میدان میں 'چور پولیس' کھیلتے ہوئے تصوّر کرتا جسے وہ اسکول سمجھتا تھا۔ تب سے ہی وہ اُماں کے کپڑے پکڑ کر روتا تھا کہ اُسے بھی اسکول جانے دیا جائے۔ سہیر کے جوش و خروش کو دیکھ کر اُپّا کئی بار گووندن ٹیچر سے اسکول میں داخلے کے بارے میں بات کرنے گئے۔ لیکن ہمیشہ جواب ملتا ''اسے کم از کم پانچ سال کا ہونا چاہئے۔''

کندھے پر رنگین بستہ لٹکائے، ہاتھ میں چھتری لئے، اُمید سے بھری چمکتی آنکھوں کے ساتھ وہ پہلی بارا سکول جا رہا تھا—— سہیر کو لگا کہ وہ اب بڑا ہوگیا ہے۔

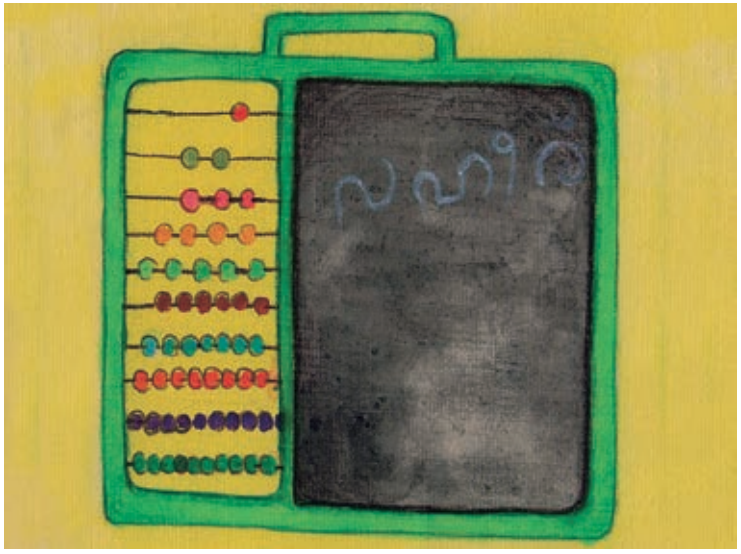

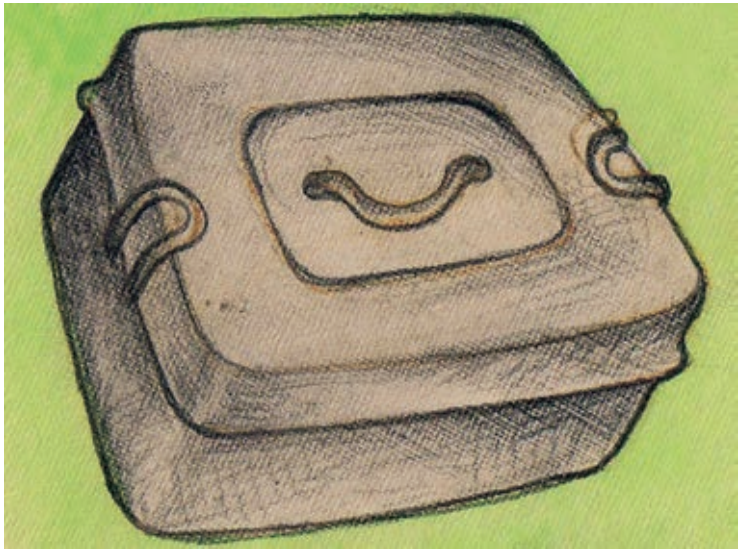

STAR

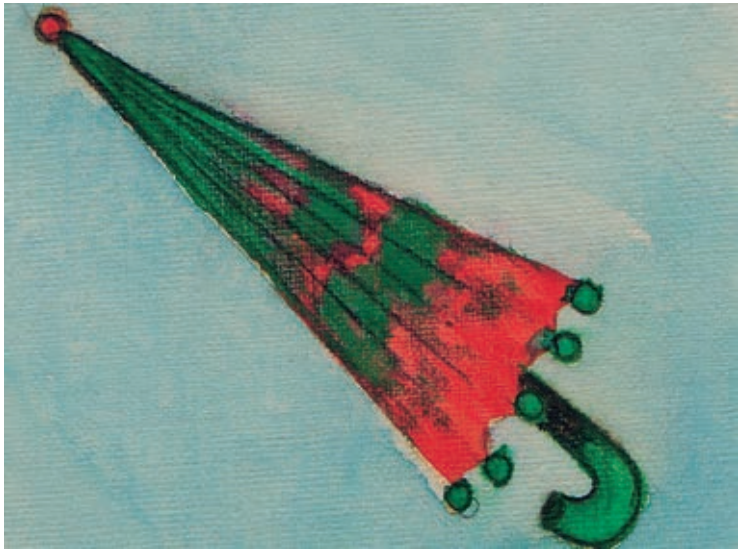

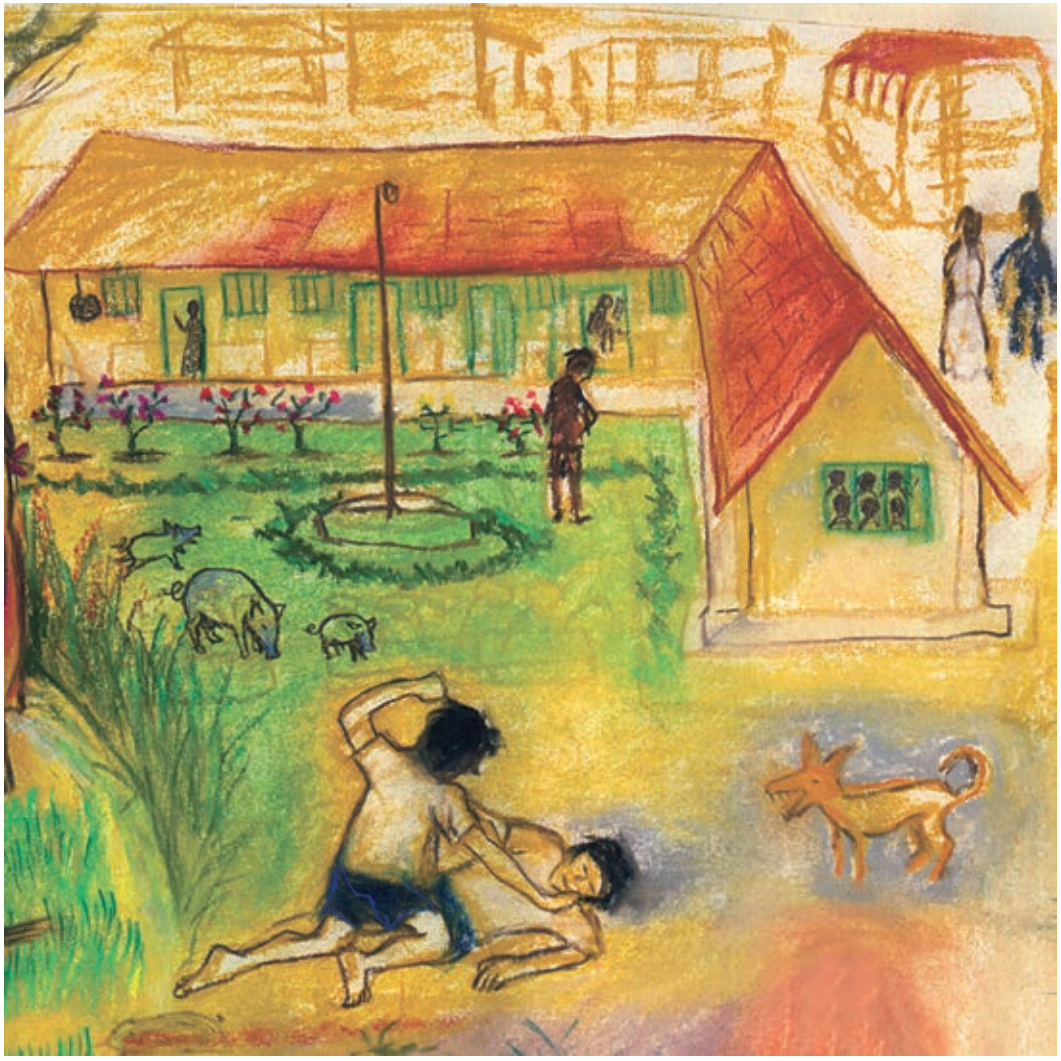

سال در سال سیاہ تختی پر اُس کے ٹیڑھے میڑھے حروف پر ٹیچر صحیح اور غلط کے نشان لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ چھٹی جماعت میں آگیا۔ کبھی کبھار جب اُسے ٹیچر سے مار پڑتی تو سہیر کو برا لگتا۔ اُسے یاد آتا کہ اُس کے خوابوں کے اسکول میں کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ اپنے خیالوں میں وہ ٹیچر سے اُن کی چھڑی کھینچ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیتا تھا۔

پھر بھی سہیر کو اسکول اچھا لگتا تھا۔ اُسے گووندن ٹیچر، گنگادھرن ٹیچر، شایلا ٹیچر، سلیمان ٹیچر، سبھی ٹیچر پسند تھے۔ پر کبھی کبھی وہ اسکول میں اُداس ہو جاتا۔ اُسے لگتا جیسے اُس کے اُماں اُپّا، دادا اور سبھی عزیز کہیں دور ہیں۔ ایسا لگتا کہ وہ سب لوگ جنھیں وہ چاہتا تھا اور جو اُسے چاہتے تھے گم ہوگئے ہیں اور وہ دنیا جس سے وہ واقف تھا، وہ بھی بہت دور محسوس ہوتی تھی۔

سہیر' کوئی کوڈ' کے پاس ایک چھوٹے سے گاؤں 'پوتّھنکونّو' میں رہتا تھا۔ وہاں اسکے بہت سارے دوست تھے۔ رشید، عبداللہ، رحمان، شفیق، شمس الدین ،رحیم—اور بھی کئی۔ صبح شام، قرآن شریف کی تلاوت کرنا، دن میں پانچ دفعہ اُستاد عبداللہ کی اذان سُننا، عبادت میں مشغول اُپّا اور ان کے ہاتھ میں تسبیح کو دیکھنا، ہر جمعرات کو ذِکرکرنا،پھر چائے کے بعد 'پتھیری' کھانا، مسجد کے احاطے میں دوستوں کے ساتھ کھیلنا— یہ سہیر کی دنیا تھی۔

ہر صُبح سہیر مدرسہ جاتا، سات سے نوبجے تک۔ ممّوں اُستاد عربی کے حروفِ تہجی، قرآن شریف کی تلاوت، نماز اور دعائیں سکھاتے تھے۔ مدرسے کے بعد سہیر واپس گھر بھاگتا اور اسکول کے لیے تیار ہو تا جو کہ تین کلو میٹر دور تھا۔ اکثر علی الصبح کافی اور بسکٹ اُس کا ناشتہ ہوتا۔ مدرسے سے لوٹ کر کبھی وہ چائے پی لیتا۔ ساڑھے نو تک اُماں اس کا ٹِفن باکس اور کتابیں سلیقے سے اُس کے بستے میں جمع دیتی تھیں۔ وہ بس بستہ اُٹھا کر اسکول کے لئے دوڑ پڑتا۔

اسمبلی والے دن کلاس نو بجکر پچاس منٹ پر یا پھر دوسرے دِنوں میں ٹھیک دس بجے شروع ہوجاتی تھی۔ اگر وہ دس منٹ بھی دیر سے پہنچتا تو اُسے کلاس کے باہر کھڑے رہنا پڑتا۔ پھر کلاس ٹیچر کے پیچھے پیچھے اسٹاف روم تک جا کر اُس دن کی حاضری درج کرانی پڑتی۔ سب ٹیچروں کے سامنے خوب ڈانٹ بھی کھانی پڑتی تھی۔

سہیر کی اسکولی زندگی زیادہ تر اسی طرح کی پریشان کن دوڑ تھی۔ کلاس چھوٹ جانے کا ڈر، ٹیچر کی ڈانٹ کا ڈر....

کبھی کبھار سہیرکو لگتا کہ وہ جلد ہی پی. ٹی. اوشا کو بھی دوڑ میں ہرا دے گا۔ چھٹی کلاس میں پہنچتے پہنچتے سہیر دوڑنے میں کافی ماہر ہو گیا تھا۔

اسکول اور مدرسے کی طرح، سہیر کی ایک اور پیاری دنیا تھی۔ وہ تھی دادی کی کہانیوں اور نظموں کی دنیا۔ جب وہ 'نفیست مالا' لحن میں پڑھتیں تو ان کی پُراثر آواز سن کر ہر کوئی سُننے کے لئے وہیں رک جاتا۔ سہیر کو ان کے مثنوی اور کہانیوں سے تاریخ کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا تھا کیونکہ یہ کہانیاں اُس کی نصابی کتابوں میں نہیں تھیں اور نہ ہی وہ 'بلراما' اور 'پوپٹا' میں چھپتی تھیں۔ محی الدین شیخ کی کہانی، جنگ بدر، علیار تھنگل، بدرالمنیر اور حسن الجمال کے عشق کی کہانی، 'ایرواڈی' اور 'متھو پیٹا' کے اولیا ءکی کہانیاں... جب دادی یہ کہانیاں سناتی تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے سب ہی مثالی شخصیتوں سے مل رہا ہو۔ سہیر اکثر حیرت کرتا کہ دادی کو اتنی ساری بڑی بڑی کہانیاں کیسے یاد رہتی تھیں۔

لیکن سہیر کو بڑا افسوس ہوتا کہ اسکول میں اُس کے دوستوں کو اِن کہانیوں کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا۔ اُس نے دادی سے ایک بار سوال کیا تھا، ''یہ سب نظمیں اور کہانیاں، ہمارے اسکول کی کتابوں میں کیوں نہیں ہیں؟'' دادی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید اُنھیں اُس کا جواب معلوم نہ تھا۔ اور پھر سہیر نے بھی دوبارہ نہیں پوچھا۔

سہیر دادی کو ایک دن اسکول لے جا کر شایلا ٹیچر کی کرسی پر بٹھانا چاہتا تھا تاکہ وہ ساری کہانیاں اور نظمیں سب بچّوں کو سنا سکے۔ پر کیا ایسا ہو سکتا تھا؟ کیا شایلا ٹیچر ایسا ہونے دیتیں؟

کنیو لکشمی

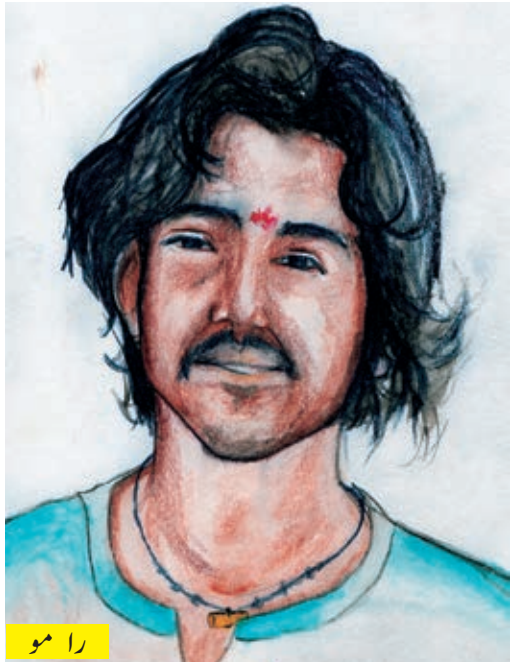
را مو

چھٹی جماعت کے 'بی' سیکشن میں ہر روز چوتھا گھنٹہ ملیالم زبان کا ہوتا تھا۔'اونم' کے بعد ہونے والے امتحان نزدیک تھے اور سبھی ٹیچر کلاس میں سبق کو دہرا رہے تھے۔ ملیالم کے ٹیچر گنگادھرن ہمیشہ کی طرح ہاتھ میں ایک چھڑی لئے آئے اور اسے نصابی کتاب پہ رکھا۔ اُنھوں نے کچھ پرانے سوالیہ پرچوں کے بارے میں بات کی اور ماڈل پیپر بھی سمجھایا۔ وہ کہنے لگے، ''تم میں سے زیادہ تر لوگ اکثر کِرداروں کے نام بھول جاتے ہو۔ اِس لئے ٹھیک سے جواب نہیں لکھ پاتے۔'' انھوں نے سب بچّوں کو کاپی میں ہر سبق کے کرداروں کے نام مشق کرنے کو کہا۔

سہیر بھی ہر سبق کو جلدی جلدی پڑھنے لگا اور کرداروں کے نام کاپی میں لکھنے لگا۔ چار سبق تھے اور ان میں کل ملا کر گیارہ کردار تھے۔ جب سبھی نے اپنا اپنا کام ختم کر لیا تو ٹیچر نے سہیر کو جواب بلند آواز میں پڑھنے کو کہا۔ سہیرپڑھنے لگا:

”سبق نمبر ایک: اچھا دوست۔ کردار: کٹی، اُنّی، کنیو لکشمی اور آمو۔

سبق نمبر دو: چالاک را مو۔ کردار: را مو، مادھوی اور ارومل...

سبق نمبر تین: محنت کا پھل۔ کردار: رمن، کنیواُنّی، ستین...“

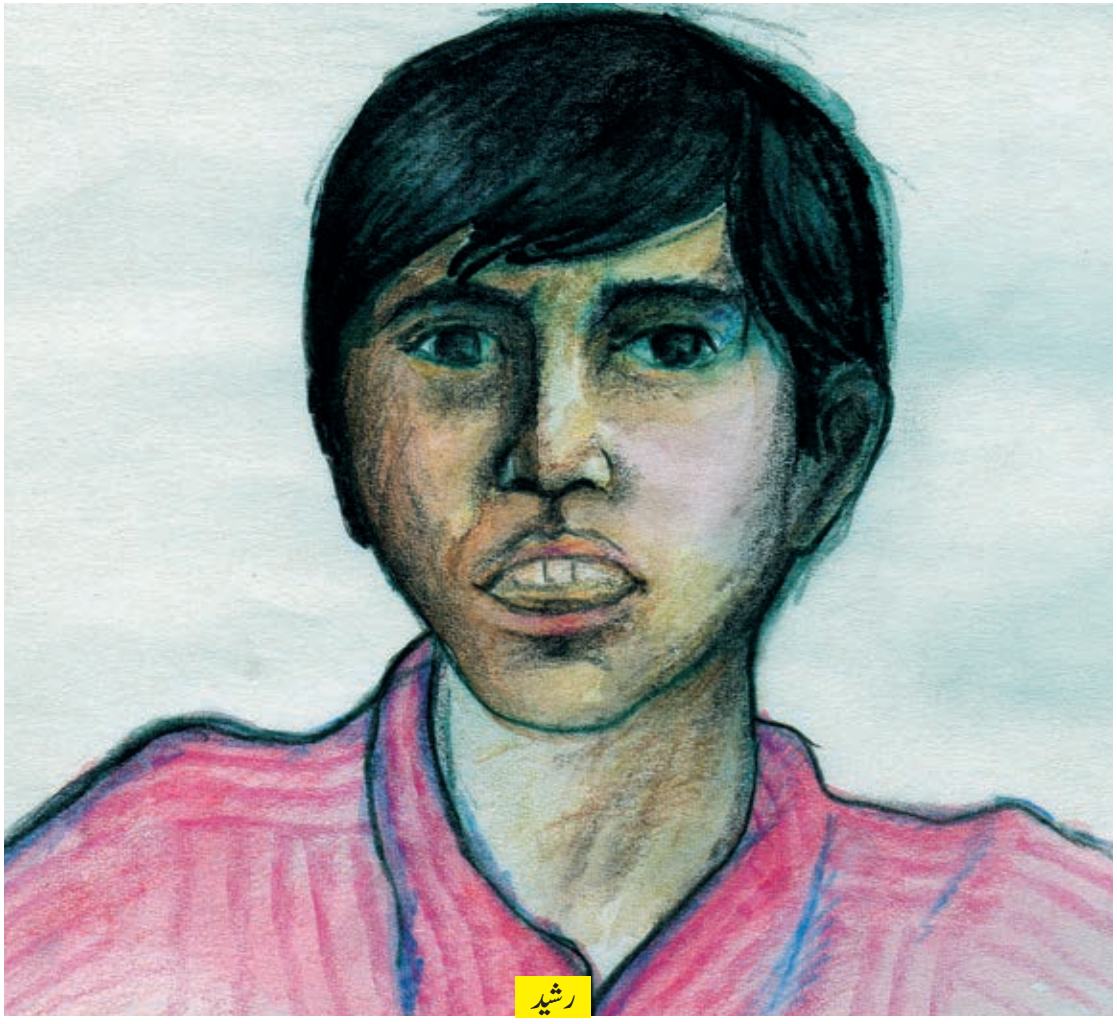

پھر کچھ رُک کر، ہمّت کرتے ہوئے اُس نے اضافہ کیا، ''اور رشید۔''

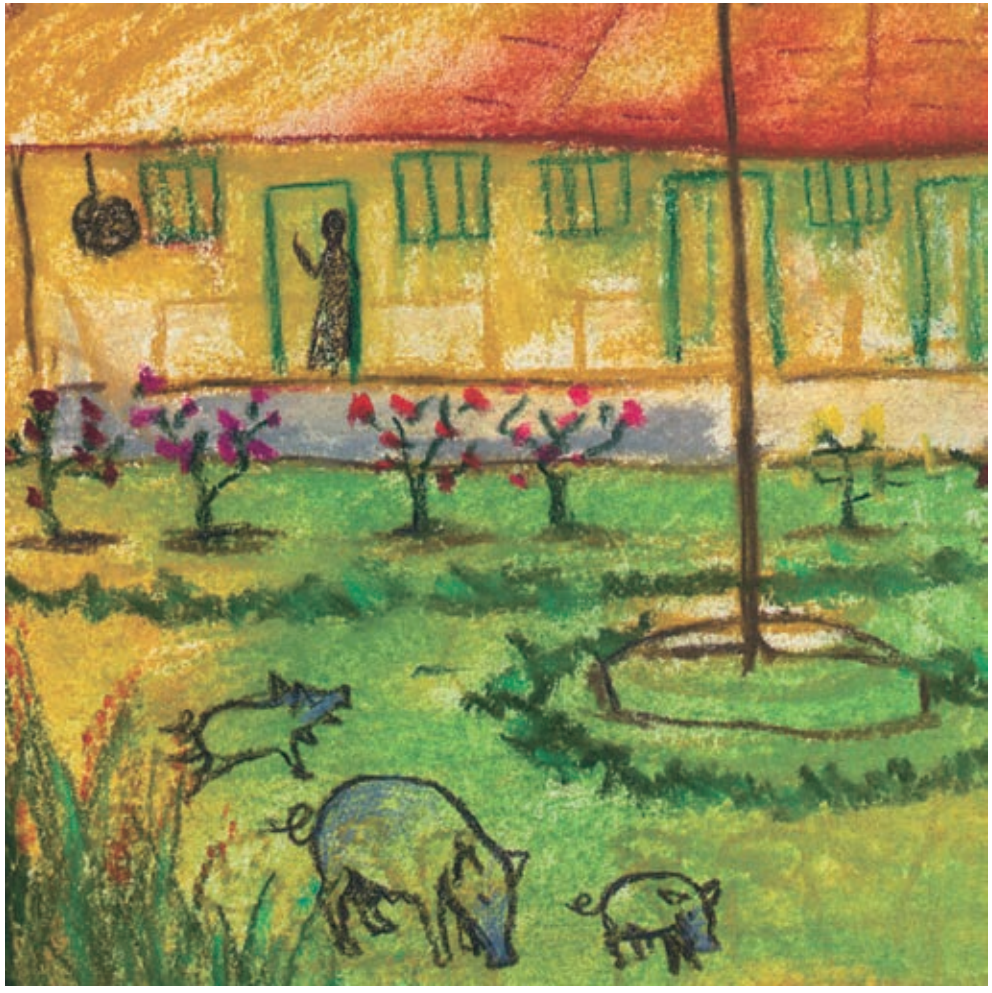

ساری کلاس میں خاموشی چھا گئی۔ گنگادھرن ٹیچر نے چھڑی اُٹھالی۔ اُن کی آنکھیں تجسُس سے اُن کی سنہری عینک کے باہر نکل پڑیں ۔ انھوں نے سہیرسے پوچھا ”کیا کہا؟ یہ نام تمھیں کہاں سے ملا؟ ایسا نام تو تمام نصابی کتاب میں نہیں ہے!“

سہیر جھجکتے ہوئے بولا، ''سر... کیونکہ پوری کتاب میں کوئی مسلم نام نہیں تھا...''

سب بچّے کِھل کِھلا کر ہنسنے لگے۔ سہیر نے ہمّت جُٹا کر گنگادھرن ٹیچر کی طرف دیکھا۔ ٹیچر نے چھڑی زور سے میز پر ماری۔ سب بچّے خاموش ہو گئے۔ اپنے غُصّے کو قابو میں کرتے ہوئے ٹیچر نے سہیر سے پوچھا، ''سہیر، کیا تم فرقہ وارانہ بات کر رہے ہو؟''

سہیر کو یہ سوال سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ گنگادھرن ٹیچر سے اُس لفظ کے معنی پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن تب ہی دوپہر کے کھانے کی گھنٹی بج گئی۔

ٹِفن باکس لئے سہیرا اپنے دوستوں کے ساتھ ہاتھ دھونے نل کی طرف بھاگا۔ وہ باہر بھاگا...
سب میں اوّل آنے کے لئے۔

اسکول کی دوستی

جوپکا سُبھدرا

آرٹ

سومیا اننتکرشنا

ترجمہ

ایم. اے. معید

سیریز ایڈیٹر

دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز

اسماء رشید اور ایم. اے. معید

eklavya

Anveshi

''کل پرچم کشائی ہے۔ تمہارا سب کچھ تیار ہے نا؟'' سری لتا نے اپنا بستہ ایک کاندھے سے دوسرے پر ڈالتے ہوئے اپنی سہیلی سُورنا سے پوچھا۔

''سب کچھ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟'' سُورنا نے چِڑکرجواب دیا اور پیر سے ٹھوکر مارکر دھول اُڑائی۔

''جیسے کہ اسکول کا یونیفارم، رِبّن اور دوسری چیزیں...یہ سب چیزیں تیار ہیں کیا؟'' سری لتا نے پوچھا اور وہ بھی دھول اُڑانے لگی۔

''ہاں، میرے پاس ایک نیا اسکول کا ڈریس، اور نئے رِبّن بھی ہیں اور تمہارے پاس؟'' سُورنانے پوچھا۔

''اُفّو! میرے پاس نیا ڈریس نہیں ہے، وہی پرانا والا ہے۔ مجھے اسکو ٹھیک کرنا ہے۔ دو یا تین بار دھوکر نیل میں ڈبونا ہے۔ پھر کلف دے کر استری کرنا ہے اور پھر وہ نئے ڈریس کی طرح چمکنے لگے گا،'' سری لتا اتراتے ہوئے بولی۔ '' لیکن تم نے نیا والا یونیفارم کب سلوایا؟''

''جب اسکول دوبارہ کھلاتھا تب بابا نے تین یونیفارم سلوائے تھے۔ میں صرف ایک ہی استعمال کررہی تھی اورباقی دو الگ رکھ دئے تھے۔'' سُورنا فخر سے بولی ۔

''میری ماں نے کہا کہ وہ نیا یونیفارم کپاس کے کھیت میں پھول چننے کا موسم ختم ہونے کے بعد ہی بنائے گی،'' سری لتا مایوسی سے بولی۔ ''تب تک مجھے یہی پہننا ہوگا۔''

سری لتا اور سُورنا ایک ہی اسکول میں پہلی جماعت سے اب تک ساتھ ساتھ پڑھتے آرہے تھے۔ وہ ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ پرائمری اسکول کے بعد سری لتا کے ماں باپ پڑوس والے گاؤں میں موجود ہائی اسکول میں اُسے نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔

سری لتا کے ماں باپ ہی کیا، کوئی بھی گھرانہ اپنی لڑکیوں کو گاؤں سے باہر اسکول نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ گاؤں کے اسکول کو اس لیے جانے دیتے تھے کہ وہ اپنے گھر کی بھی دیکھ بھال کر لیتے اور اسکول کو بغیر کسی مشکل کے جاسکتے تھے۔ ''بکریاں مرغیاں بھلا کر، جھاڑو برتن چھوڑ کر، کسی مرد بچّے کی طرح تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ؟'' سری لتا کے ماں باپ سوچتے۔ ''آخرکار، شادی کے بعد اُسے پرائے گھر ہی تو جانا ہے۔'' گوکہ سری لتا آگے پڑھنا چاہتی تھی لیکن ماں باپ کے فیصلہ کی مخالفت نہیں کرسکتی تھی۔

جیسے ہی ٹیچر کو معلوم ہوا کہ سری لتا نے اسکول جانا چھوڑ دیا ہے وہ اس کے گھر آئے۔ ''آپ کی لڑکی بہت ذہین ہے اسے چولہے اور برتنوں سے باندھ کر اس کی زندگی خراب مت کیجیے۔'' اس نے سمجھایا اور دیر تک اس کے باپ کو منوانے کی کوشش کرتا رہا۔

پھر یوں ہوا کہ سُورنا کا باپ جولاہا سمبنّا بھی اپنی بیٹی کے لئے ایک سہیلی کی تلاش میں تھا۔اُس کا خیال تھا کہ دونوں لڑکیاں، ایک ساتھ اسکول جائیں گی۔ سمبنّانے سری لتا کے باپ پوشنّا کو اپنے ساتھ بٹھاکر سمجھایا۔" پوشنّا، آخر چنّاپورم اسکول ہمارے گاؤں سے کتنی دور ہے؟ بس یوں گئے اور یوں آئے ۔" پوشنّا سوچنے لگا: اُسے اپنی بیٹی کا اسکول جاتے وقت مسکراتا کھِلتا چہرہ اچھا لگتا تھا ناکہ کام کی وجہہ سے مرجھایا چہرہ۔ "میری بیٹی سُورنا بھی وہاں جارہی ہے۔ وہ دونوں لڑکیاں آرام سے اپنے گھر کا کام صبح کرسکتی ہیں اور شام ہونے سے پہلے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔"

پوشنّا نے کہا "میں بھی اسے بھیجنا چاہتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ ایسا محفوظ نہیں رہے گا۔"

"وقت بدل چُکاہے، جب دنیا ایک طرف جارہی ہے تو ہم دوسری طرف جانے کی ضد کیوں کریں؟ کیا نسل در نسل تم مٹی میں ہاتھ گندے کرکے اور بیلوں کو ہانک کر ہی زندہ رہو گے؟ یہ سب چھوڑو اور اپنی بیٹی کو اسکول بھیجو۔" سمبنّانے پوشنّا کو سمجھا تے ہوئے کہا۔

"سچ ہے - اگر اپنی بیٹیاں علم حاصل کرلیں گی، ہم فخرسے اپنی مونچھوں کو تاو دے سکیں گے۔میں بھی اپنی طرف سے اپنی سری لتا کو پڑھنے کے لئے چنّا پورم بھیجوں گا،" اس نے سمبنّاکو یقین دلایا۔ اس وقت سے سری لتا اور سُورنا ساتھ اسکول جانے لگے۔ وہ جلد ہی اچّھے دوست بن گئے۔

سُورنا کا باپ اپنی موٹر سائیکل پر نئے کپڑے لادے اُنھیں گاؤں گاؤں لیجا کر فروخت کرتا تھا۔ اس کی ماں اپنے کھیت میں ہل چلاتی تھی۔ سری لتا کے گھر والوں کے پاس آدھی ایکڑ خشک زمین تھی جس کی پیداوار بہت کم تھی۔ اِسی لئے اُس کے ماں باپ کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے روز مزدوری کرنا پڑتا تھا۔ سری لتا سُورنا سے بہتر پڑھتی تھی۔ وہ قاعدے سے نوٹس لکھتی تھی۔ پابندی سے اسکول جاتی اور آسانی سے ہوم ورک کرلیتی تھی۔ ٹیچر اس کی بہت تعریف کرتے تھے۔ کبھی سری لتا کو گھر پہ کام ہوتا تو وہ اسکول نہیں جاپاتی۔ اُس دن سُورنا بھی اسکول نہیں جاتی کیونکہ سہیلی کے بغیر اُسے ا سکول میں کچھ اچّھا نہ لگتا۔سری لتا بھی ایسا ہی سوچتی تھی۔ جب اُن میں لڑائی ہوجاتی تو آپس میں بات چیت بھی بند ہوجاتی ۔ مگر جلد ہی سب کچھ بُھلا کر وہ باتوں میں مشغول ہوجاتے۔ دونوں خوب مزے کرتے، کھیلتے کودتے، خوشی خوشی اپنے گاؤں واپس لوٹتے۔ گھر سے لایا ایک دوسرے کا کھانا مل بانٹ کر کھاتے۔ ساتھ ہی اپنی چوڑیاں، مالے اور رِبّن ایک دوسرے کو دیتے۔ لیکن یہ سب اسکول میں یا پھر اسکول سے واپسی کے دوران ہوتا تھا۔ گاؤں پہنچتے ہی دونوں اپنے اپنے راستے ہولیتے۔

''تو تم نیا ڈریس نہیں پہننے والی ہو؟'' سُورنا دوبارہ پوچھی۔

''میں وہ کیسے پہنوں جو میرے پاس نہیں ہے؟ '' سری لتا نے مایوسی سے جواب دیا۔

''میرے پاس دو یونیفارم ہیں، ہے نا، تم ایک پہن لینا'' سُورنا، سری لتا کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولی ۔

''امو، نہیں! اگر اس کے بارے میں معلوم ہوگیا تو کیا تمہارے لوگ خاموش بیٹھیں گے؟'' سری لتا گھبرا کر پوچھی۔

''میں ان کو معلوم ہوئے بغیر لے آئوں گی'' سُورنا اعتماد سے بولی۔

''اگر اتنا سا بھی تم میرا ہاتھ پکڑتی ہو تو تمہاری ماں کے چہرے پر سو شکنیں آجاتیں ہیں،'' سری لتا بولی۔

''یہ صرف ایک دن کے لیے ہے! وہاں پہنو اور یہاں آکر اتار دو۔ کیا ہم مالے اور چوڑیوں کی ادلا بدلی نہیں کرتے؟ یہ بھی ویسے ہی ہے،'' سُورنا قائل کرنے کے لیے بولی۔

سری لتا بھی نیا یونیفارم پہننا چاہتی تھی۔ لیکن اگر کسی کو معلوم ہوگیا تو مسکراہٹیں چلی جائیں گی، غیر ضروری لڑائی جھگڑے ہوں گے اور اگر ایسا ہوا تو اس کا انجام یہی ہوگا، ''اسکول بند۔'' کیوں مصیبت مول لو؟ گو کہ وہ ڈری ہوئی تھی پھر بھی سُورنا کی خاطر راضی ہوگئی۔یہ بات طے ہوتے ہی وہ الگ ہوکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

دوسری صبح، سُورنا اپنا نیا یونیفارم اپنے بستے میں رکھ کر لائی اور پھر اسکو سری لتا کے بستے میں رکھ کر بولی ''کل تم ضرور اسے پہننا۔'' سری لتا یونیفارم تو گھر لے آئی لیکن وہ پریشان تھی۔ اگر اس کے ماں باپ نے دیکھ لیا اور کچھ پوچھا تو کیا ہوگا۔ ''دوسروں کے چیزوں کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟'' تو وہ کیا جواب دے گی؟ مگر پندرہ اگست کی صبح جیسے ہی دونوں کام کے لئے چلے گئے، سری لتا خوش ہوئی کہ اسے کوئی بھی نیا یونیفارم پہننے سے نہیں روک سکے گا۔

سری لتا اور سُورنا نئے یونیفارم پہن کر اسکول پہنچ گئے۔ پرچم کشائی کے وقت بھی سری لتا کا دل خوف کے مارے تیزی سے دھڑکتا رہا کہ اس کے ادھار لیے ہوئے کپڑے کہیں اس کی بے عزتی کا باعث نہ بن جائیں۔ جب وہ گھر واپس ہورہے تھے راستے میں ایک دو آدمیوں نے پوچھا بھی، ''تمہارے باپ کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں پھر بھی اس نے تمہارے لیے ایک نیا ڈریس بنادیا، ہے نا لڑکی؟''

واپسی میں چاکلیٹ اور بسکیٹ کھاتے ہوئے سُورنا سری لتا سے بولی ، ''یونیفارم کو دھونا مت، جیسے ہی تم گھر پہنچو اُسے نکال کر کاغذ میں لپیٹ دینا اور کل لے آنا۔''

''میں دھووں نہیں؟'' سری لتا حیرت سے پوچھی۔

''اگر تم دھووگی تو تمہارے گھر والے پوچھیں گے کہ نیا یونیفارم کہاں سے آیا۔ اس طرح ہمارا راز کھل جائے گا۔'' اپنے گھر کی طرف دوڑتے ہوئے سُورنا بولی ۔

دوسرے دن، سری لتا نے نیا یونیفارم کاغذ میں لپیٹ کر لوٹا دیا۔ سُورنا نے اسے اپنے بستے میں چھپالیا۔ جیسے ہی وہ گھر پہنچی ، اس کی ماں نے آواز دی ''تم آگئی، میری بچّی؟ بھینس کا بچھڑا رسّی چھڑا کر اِدھر اُدھر بھاگ رہاہے۔ اس کو واپس لاکر باندھ دو۔''

سُورنا کا بستہ اس کے کاندھے سے اُتارلیا ''وہ بچھڑا اتنا پریشان کرتا ہے کہ کبھی گھر پر نہیں ٹکتا، کوئی رسّی اتنی مضبوط نہیں کہ اسے ایک جگہ باندھ کر رکھ سکے۔'' یہ بڑبڑاتے ہوئے اس نے بستے کو لکڑی کی کھونٹی سے لٹکا دیا۔

اِس دوران گاؤں میں تاڑی کا کاروبار کرنے والی بھومکّا آگئی۔ ''کوؤرکّا تمہاری بیٹی اسکول سے واپس آگئی؟'' اُس نے پوچھا۔

''وہ ابھی ابھی آئی ہے مگر بچھڑے کو باندھنے کے لئے باہر گئی ہے۔ اس سے تم کو کیا کام ہے بہن؟''

''مجھے ایک قلم چاہئے تھا۔''

''قلم کِس لیے چاہے تمہیں؟''

''میرا بیٹا بچی ریڈی کا پتہ لکھنا چاہتا ہے،'' بھومکّا نے جواب دیا۔

سُورنا کی ماں گھر کے اندر گئی اور بستے میں ہاتھ ڈالا۔ جب اسے قلم نہیں ملاتو اس نے کتابوں کو اور کپڑوں کے پیاکٹ کو الگ رکھا۔ پھر قلم نکال کر بھومکّا کو دے دیا۔ جب وہ کتابوں کو دوبارہ بستے میں رکھ رہی تھی تو اس نے پھٹے کاغذ میں لپٹے ہوئے کپڑوں کو دیکھ لیا۔سفید بلوز اور نیلا اسکرٹ تھوڑے سے میلے نظر آرہے تھے۔ ''یہ لڑکی میلے کپڑے اپنے بستے میں کیوں رکھتی ہے؟'' وہ حیرت میں تھی۔ ''جب وہ واپس آئے گی تو میں اس سے پوچھوں گی،'' وہ ان کو بازو رکھتے ہوئے سوچی۔

سُورنا، بچھڑے کو باندھ کر واپس لے آئی۔ اسے باندھنے کے لیے رسّی دیتے ہوئے اس کی ماں نے پوچھا ''بیٹا، تمہارے بستے میں کپڑے کہاں سے آئے؟'' سُورنا اِس اچانک سوال پر گھبراگئی اس کو یہ امید نہیں تھی کہ ماں کپڑے دیکھ لے گی اور اس کے بارے میں پوچھے گی۔ اُس کے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ ہڑبڑاہٹ میں جھوٹ بولنا بھی سُجھائی نہیں دیا! اور ڈرتے جھجکتے ہوئے اس نے سچّائی بتادی۔

''نالائق کیا ہوگیاتجھے ؟ تونے اس مادیگا لڑکی کو یہ کپڑے کیوں دئے؟ اور پھر واپس بھی لے کر آئی!! واپس لینے کے بعد انھیں اپنی کتابوں کے بیچ میں کیوں رکھا؟'' اس کی ماں چلّاتے ہوئے گھر میں تیزی سے گئی۔ کپڑوں کا پیاکٹ اٹھایا اور آنگن میں لاکر طیش میں پھینک دیا۔

''میری دوست ہے، اِس لیے دیا۔ توکیا ہوا؟'' سُورنا نے آہستہ سے پوچھا۔

''سہیلی ، دوستی صرف اسکول تک ہوسکتی ہے۔ ہمارے گاؤں میں نہیں۔ نئے کپڑے تم نے برباد کردئے۔ جلادو انھیں! وہ کپڑے واپس کیوں لے کر آئی؟ اُس کمبخت کے پہننے کے بعد آخرتم ان کو کیسے پہن سکتی ہو؟ تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں تھی تو کیا اُس بدبخت کو بھی معلوم نہیں تھا؟ ہمّت کیسے ہوئی اُس لڑکی کی کہ اپنے پہنے ہوئے کپڑے تم کو لے جانے کے لیے دیئے۔'' غضب کے غصّے میں پھنکارتی ہوئی سُورنا کی ماں اپنی بیٹی کو پیٹے جارہی تھی۔

''چُلّو بھر پانی میں ڈوب مرے ایسی پڑھائی! چار حروف کیا سیکھ لیے، ادنٰی اور اعلیٰ کا فرق ہی بھول گئی۔ کیا اُس کاغُرور اس کے سرپر چڑھ گیا؟ کیا اس کے ماں باپ نے ہمارے رتبہ کا فرق اُس کو نہیں بتایا؟ تم خاموش کیوں کھڑی ہو؟ کپڑوں پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگادو۔'' اس نے اپنی لڑکی کو راستہ سے ڈھکیل دیا اور پانی کے پیپے کے پاس جاکر ہاتھ دھونے لگی۔ سُورنا روتے جارہی تھی اور کپڑوں کو دیکھتے جارہی تھی جوپھٹے پیاکٹ سے باہر نکل کر گرگئے تھے۔

”بےچاری سری لتا۔ جِس کا اُسے ڈر تھا وہی ہوگیا۔ مجھے اپنا بستہ ماں کو دینا پڑا بچھڑے کے پیچھے دوڑنا پڑا۔ ورنہ میں کپڑوں کو حفاظت سے چھپاسکتی تھی، راز باہر آگیا،بد بخت بچھڑا!“ سُورنا سوچنے لگی۔ سُورنا ماں کے ہاتھوں پِٹے جانے سے زیادہ اپنی پیاری سہیلی کو گلیاں دئے جانے پر تکلیف محسوس کررہی تھی۔ آنگن کی باڑھ پہ ٹیک لگائے وہ زاروقطار روئے جارہی تھی۔

”کیا تم انسان نہیں ہو لڑکی؟ میں نے تم سے کہاکہ مِٹّی کا تیل ڈال کر کپڑوں کو آگ لگادو اور تم ضدّی بن کر کھڑی ہو!“

ماں نے تیل کپڑوں پر چِھڑک دِیا اور آگ لگانے والی ہی تھی۔ سُورنا جو کہ آنکھوں میں آنسو لیے کھڑی تھی، اچانک حرکت میں آئی۔ اُس کے ہاتھوں پیروں میں بجلی سی دوڑگئی۔ اُس نے لپک کر یونیفارم اُٹھا لیا اور سیدھے سری لتا کے گھر کی طرف دوڑنے لگی۔ سُورنا کی ماں حیرت سے اِس قدر دنگ رہ گئی کہ اپنی بیٹی کے پیچھے دوڑ بھی نہ پائی۔

اسکول کی ان کہی کہانیاں SCHOOL KI ANKAHI KAHANIYAN

تین چوتھائی ، آدھی قیمت، ردّی

اصل کہانی (تلگو): محمد قدیر بابو

آرٹ: بی. وی. سُریش

ترجمہ(انگریزی سے اُردو): محمد مجیب الدین

نصابی کتاب

اصل کہانی (ملیالم): نوئمن

آرٹ: چتھرا کے. ایس.

ترجمہ(انگریزی سے اُردو): اسماء رشید

اسکول کی دوستی

اصل کہانی (تلگو): جوپکا سُبھدرا

آرٹ: سومیا اننتکرشنا

ترجمہ(انگریزی سے اُردو): ایم. اے. معید

ڈیزائن: کنک ششی

سیریز ایڈیٹر: دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز: اسماء رشید اور ایم. اے.معید

ڈفرنٹ ٹیلز ٹیم: کے.للیتا، ڈی.وسنتہ، جیاشری کلاتل، اوما بروگھوبنڈا، شکنیہ کنارلی اور سُوزی تھارو۔

Anveshi ڈفرنٹ ٹیلز : پسماندہ ثقافتوں و علاقائی زبانوں کی کہانیاں انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز، حیدرآباد، کی ایک پہل۔

(c) انویشی: کہانی، آرٹ اور ڈیزائن

پہلا ایڈیشن: 2025 جنوری (1000 کاپیاں)

کاغذ: 100 جی ایس ایم میٹ آرٹ اور 220 جی ایس ایم پیپر بورڈ(کور)

ISBN: 978-93-48176-53-0

قیمت: ₹ 120.00

ناشر : ایکلویا فاؤنڈیشن

جمنا لال بجاج پریسر

جنگھیڈی، بھوپال - 462026 (مدھیہ پردیش)

books@eklavya.in / www.eklavya.in

انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز

2-2-18/2/A

دُرگا بائی دیش مکھ کالونی، حیدرآباد - 500007 (تلنگانہ)

anveshirc@gmail.com ; www.anveshi.org.in

پرنٹر : آر.کے. سیکیوپرنٹ پرائیویٹ لمیٹڈ، بھوپال، فون نمبر: 2687589 755 91+

List of titles

Urdu

Chataai Aur Nani, Tum Roz Qat Likhna
School Ki Ankahi Kahaniyan
Tareeq Ke Saaye
Ghade Mein Chand
Tataki Phir Jeet Gayi Aur Shabaash Badeyya
Boriwala
Sire Paye Ka Saalan
Ek Ladka Do Naam Aur Shaija Ki Khalai Duniya
Maa

English

Head Curry
Moon in the Pot
Mother
The Sackclothman
Spirits from History
Tataki Wins Again & Braveheart Badeyya
Untold School Stories
The Two Named Boy & Other Stories
The Mat And Write Every Day, Ajji!

These books have also been published in Telugu, Malayalam, Hindi and Kannada.

پُرانی نصابی کتابیں خریدنی ہیں؟ سوچ رہے ہیں کیسے کرینگے؟ آیئے ہمارے سورما سے ملئے، جو کسی امبانی کے سطح کے سودے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

—تین چوتھائی، آدھی قیمت، ردّی

سہیر کو اپنی ملیالم کی کتاب میں کہیں بھی کوئی مسلمان نام نہیں نظر آرہاہے۔ اگر وہ غائب ہوگئے ہیں، تو کیا سہیر اُنھیں واپس لانے میں مدد نہیں کرسکتا؟

—نصابی کتاب

سری لتا اور سُورنا اسکول میں گہرے دوست ہیں۔ لیکن گاؤں میں اُن کی ذات کی وجہ سے ہونے والے اختلافات کو آسانی سے بُھلایا نہیں جاسکتا۔

—اسکول کی دوستی

چاہے وہ الفاظ میں ہو یا تصویروں میں، موجودہ بچّوں کا ادب متوسط طبقے کے بچّوں کی زندگی و دنیا کو نمایاں کرتا ہے۔ ''ڈفرنٹ ٹیلز'' کی کہانیاں بچّوں کے ادب کے اِس محدود دائرے سے نکل کر مختلف طبقات، ذات، مذہبی ثقافتوں اور جسمانی صلاحیتوں کے جانباز بچّوں سے ہماری ملاقات کرواتی ہیں۔ یہ کہانیاں نئے نظاروں، خوشبوؤں، آوازوں، خوشیوں اور غموں سے بھری ہیں اورایک مشترک و جامعہ ہندوستان کے لیے حقیقی دین ہیں۔

— سُوزی تھارو

اِسکالر، مصنفہ اور خواتین کی تحریک کی کارکن

Price: ₹120.00

9 789348 176530

Anveshi eklavya

DIFFERENT TALES

''ڈفرنٹ ٹیلز'' علاقائی زبانوں سے ایسی کہانیاں پیش کرتی ہیں جن کے بارے میں بچّوں کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی پڑھا جاتاہے۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں مصنف کے اپنے بچپن کی تصاویر ہیں جو اکثر مختلف ثقافتی دنیا میں پرورش پانے، ساتھیوں، والدین اور دیگر بالغوں کے ساتھ نئے تعلقات تلاش کرنے کے الگ الگ طریقوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ ہمیں لذیذ پکوانوں، منفرد کھیلوں، اسکول میں غیر متوقع اسباق، خلوص اور دوستی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے دلکش سفر پر لے جاتی ہیں۔